

مولانا حکیم محمد احمد ظفر سیالکوٹی

رفیق اعزازی۔ الحق

اسلام کا تصور نبوت

فصل ۴

نبی کی خصوصیات

نبی محنت اور ریاضت سے نہیں بشتہ، بلکہ نبوت اللہ کی دین ہے جسکو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ لیکن جسکو نبوت ملی ہے۔ وہ پھر اس قدر عبادت کرتا ہے کہ اس کے پاؤں بھی رکوع و قیام میں متروک ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق کہنا پڑتا ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن ہم نے تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت اور تکلیف اٹھائے روزے رکھنے پر آتا ہے تو وصال کے روزے رکھتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل وہ ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ میں بسر کرتا ہے۔ پہاڑوں کی غاروں اور آبادی سے دور دراز دیرانہ میں ایک ایک ہفتہ نہیں بلکہ ایک ایک ماہ اور ایک ایک چلہ زہد و تقشف کی زندگی میں گزارتا ہے۔ تو رات میں موسیٰ علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے کہ کتاب طے سے قبل وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے کہ وہ ایک دیرانہ میں چالیس روز تک روزہ کی حالت میں عبادت الہی میں مصروف رہے۔ خود سرکارہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے قبل غار خرا میں ہینوں عزت اور گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و مراقبہ کی زندگی گزارتے رہے۔ پیناچہ غلامہ عیسیٰ لکھتے ہیں :

قید ماکانہ صفتہ تعبده اجیبہ بات ذالک کاتہ بالتفکر والاعتبار یہ یعنی یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی ؟ جواب یہ ہے کہ غم و تفکر اور عبرت پذیری۔

بات مواصل یہ ہے کہ نبی اور رسول کا تعلق چونکہ اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ محبت خداوندی میں سرشار ہوتا ہے۔ لہذا اس کو اس مادی دنیا کی ہر وہ شے اور فانی جہاں کا ہر

سہ عبداللہ بن عینی : عمدۃ القاری جلد اول

وہ فعل جو اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ہو اس طرح کہہ وہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ہمیں ہر وہ شے جو ہماری طبیعت کے مخالف ہو ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ اُس سے دور بھاگیں اور کسی گوشہ خلوت میں جا بیٹھیں جہاں وہ چیز نہ ہو۔ بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام جب اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو اس وقت دنیا میں طرح طرح کے ناپسندیدہ افعال، کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور فحشاء اور منکرات کے زلفِ یار کی طرح سیاہ بادل امنڈے ہوتے ہیں۔ جس سے انسانی اخلاق اور انسانی روحانیت گندی ہو چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح ہم گندگی اور غلاظت سے دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام زمانہ قبل از نبوت میں اس روحانی اور اخلاقی غلاظت کے طوماروں سے دور بھاگتے ہیں۔ اور کوئی گوشہ خلوت تلاش کرتے ہیں جس میں تفکر و مراقبہ کے ذریعہ اللہ رب العزت سے نور لگائیں۔ اور اس مادی دنیا کی آلائشوں اور غلاظتوں سے یک قلم الگ ہو جائیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

فلما نشأت بغضت الی الاشیاء و بغضت الی الشعیرۃ یعنی جب میرا نشو و ارتقاء شروع ہوا اسی وقت سے بتوں اور اشعار سے شدید نفرت اور عداوت میرے قلب میں ڈال دی گئی۔

ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اور فرمایا کہ میں ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ مجھے کچھ خیال آیا لیکن حق جل و علا شانہ نے دونوں ہی مرتبہ اس سے محفوظ و مصئون فرمایا۔ ایک رات میں نے اپنے ساتھی سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، کہا کہ اگر تم میری بکریوں کو سنبھالے رکھو تو میں مکہ میں جا کر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں، اس ارادہ سے میں شہر میں آیا۔ پہلے ہی گھر میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس گھر میں شادی ہے۔ میں ابھی سننے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھلی اور اللہ جل شانہ نے میرے کانوں پر ہر لگادی امد میں کچھ نہ سن سکا۔ اور جب سورج نکلنا تب آنکھ کھلی۔ دوسری شب آپ نے پھر یہی ارادہ فرمایا۔ اور آپ پھر جب شہر میں آئے تو آپ پر نیند طاری کر دی گئی اور

آپ کچھ نہ سن سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہات جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ یاد رہے۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف دس سال کی تھی۔

ابن ہشام بھی لکھتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جاہلیت کی تمام گندگیوں اور غلاظتوں سے محفوظ اور پاک رکھا۔“

بنی کی اس ریاضت و عبادت کی خصوصیت کے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی اس میں رکھی جاتی ہیں۔ تاکہ دوسری نوع انسانی سے جس کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اس کو بھیجا جاتا ہے، ممتاز ہو جائے۔ چنانچہ وہ حسن صورت، اعتدال مزاج، حسن تربیت، طہارت نسب، نشوونما کی پاکیزگی، سنجیدگی اور متانت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ تواضع و نرم خوئی سے پیش آتا ہے۔

ویسے تو دشمنوں کے ساتھ بھی اُس کا حسن اخلاق ضرب المثل ہوتا ہے اور اپنے خون کے پیالوں کو بھی۔ لَا تَشْرِبْ عَنْيَ الْيَوْمَ۔ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن دشمنان حق کے ساتھ شدتِ قوت کے ساتھ کبھی بدر و جنین کے معرکے بھی لڑ لیتا ہے۔ راست گفتار اور امانت دار اس قدر ہوتا ہے۔ کہ دشمن بھی اس کی بات کو سچا جانتے ہیں۔ اور مَا جَدَّ بَنَاتُ الْأَصْدَقَاءِ۔ کہہ کر اس کے صدق کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اپنی قیمتی سے قیمتی امانتیں اُس کے پاس رکھتے ہیں۔ اور آپ کی امانت داری سے متاثر ہو کر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں: هَذَا أَحْمَدُ الْأَمِينُ رَضِينَا هَذَا أَحْمَدُ۔ یہ تو محمد امین ہیں ہم اُن پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔

عزمنیکہ وہ دنیا کی سب خوبیوں اور فضائل سے آراستہ اور بلائیوں اور ذیل باتوں سے ایک قلم میرا ہوتا ہے۔ باحیا اس قدر کہ کنواری عورتوں کی حیا بھی اس کے سامنے گرد ہوتی ہے۔ فریاد خواہوں کی فریاد دہی اس طرح کرتا ہے۔ کہ دشمن بھی اپنی فریادیں اس کے پاس لے کر آتے ہیں۔ قرابت داروں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان اس کی فطرت اور نیکی سے محبت اور بڑی سے نفرت اس کی طینت ہوتی ہے۔

تمام دنیا کی قوتیں اور سب لوگوں کی اکثری ہوئی گروہیں اس کے سامنے طوعاً و کرہاً سرنگوں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جابر اور ظالم با بھولاں اس کے پاس لائے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کی

۱۔ خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۵۵ ۲۔ شفا قاضی عیاض ص ۶ ۳۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۶۲
۴۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ ص ۱۱۲ ۵۔ طبری جلد ۲ ص ۲۱۲ ۶۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۵
۷۔ بخاری جلد اول ص ۴۹ ۸۔ شفا قاضی عیاض ص ۴۹

تقدیروں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اس کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ اس طرح دست بستہ بیٹھتے ہیں۔ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے اہل فضل و کمال اس کے آگے اس طرح دبے پچے بیٹھتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے منہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان تک نہ ہونے کا دہم گذرتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ نہ اس میں غرور و نخوت کی بو آتی ہے۔ اور نہ ہی وہ جفا پیشہ، درشت مزاج اور بدخود ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر ہر عضو سے غفور و رحمت کے نیچے چٹے جاری ہوتے ہیں۔ کلام میں شیرینی، افعال میں تانتا اور مزاج میں سلامتی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ساری دنیا کے خزانے اس کے قدوں میں پڑے ہوتے ہیں، لیکن اس کے اپنے پورے میں مہینوں آگ نہیں جلتی۔ دوسروں کو ہزاروں اور لاکھوں درہم و دینار بخشے جاتے ہیں، لیکن خود اپنی اولاد کو ایک غلام بھی نہیں دیا جاتا۔ طبیعت کی اس فیاضی اور مزاج کے اس اعتدال کی وجہ سے وہ باہم ہو کر بھی بے ہمہ ہوتا ہے۔ اور ہر نعمت کے اظہار پر دلا فخر کا فقرہ دہراتا ہے۔

بنی اور ریفارمر یا لیڈر بنی کی ان خصوصیات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ بنی ریفارمر اور لیڈر نہیں ہوتا، کیونکہ بنی اور لیڈر یا ریفارمر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بعض با بخت اور شقی القلب لوگوں نے جو اسلام کی تشریح کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر دائے ہوئے ہیں، بنی کو ایک لیڈر اور ریفارمر اور دین کو ایک تحریک سمجھتے ہیں۔ بنی کے لئے لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ استعمال کرنا میرے خیال میں بنی کی توہین کرنا ہے۔ اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر عمومی سطح پر لانا ہے اور یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام کی روح اور معنویت سے نا آشنا ہوں یا ان کے دل بغض رسول سے بھرے ہوئے ہوں۔ بنی اور ریفارمر میں جو فرق ہے۔ اس کو ہم ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ایسے شقی القلب لوگوں کی زہر افشانی کے لئے تریاق کا کام دے سکے۔

ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ ان ہی کی طرح وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کی طرح اس کی زندگی میں آثار چڑھاؤ آتے ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جدوجہد اور اس کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سمی کی بناء پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، معاشی، تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی فراست طبعی، خلوص و دیانت اور ایشاد و نیک نیتی کی بناء پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے۔ اور قوم اس کو اپنا ریفارمر یا لیڈر تسلیم کر لیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کی

حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اول تو ان کی تعلیم و تربیت ہی صفتِ اجتناب و اصطفا کے تحت ہوتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر ان کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہے۔ جو کہ لیڈ اور ریفاہر کی ذمہ داری سے بہت گراں ہے۔ پھر ان کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کہتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی غذا، قوتِ شنوائی، قوتِ بینائی اور دیگر قویٰ کو صفتِ عصمت کے تحت محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈ کی طرح قوم کے کہنے پر مبنی نہیں بنتے بلکہ وہ ایک مناسب عمر پر جو کہ اکثر چالیس برس ہوتی ہے، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے بنی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں بنی ماننے پر تہاوری دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری اور اصلاح کا دار و مدار ہے۔ ہم اس بات پر مامور ہیں۔ کہ تم سے اپنی نبوت اور رسالت کا اقرار کروائیں اور تم اس بات پر مامور ہو کہ ہمیں بنی مانو، ہمارے احکام پر عمل کرو، اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ غرض کہ بنی اور رسول نہ تو از خود بنی اور رسول بنتے ہیں۔ اور نہ قوم ان کو بنی اور رسول بناتی ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ براہِ راست ان کو بنی اور رسول بناتا ہے۔

لیڈ اور ریفاہر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں کے تحت چلاتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رخ دیکھ کر رد و بدل کرتے رہتے ہیں۔ نہ ان میں معین حدود و قیود کی پابندی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پیروی کے لئے ان کے سامنے کوئی اسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کیلئے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی ایکشنی سرگرمیوں کو بھی بد و حین کے غزوہ سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد و مردود ٹھہرائیں گے۔ اور اگر ہوا کا رخ خلاف دیکھیں گے تو یہ بد و حین کے مجاہدین اس طرح بلوں میں جا گھسیں گے جس طرح بتی کو دیکھ کر چوہے بلوں میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے۔ کہ ”وقت آگیا ہے“ کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں ان کے لئے خالی کر دیں لیکن اگر دشمنی قیمت سے اٹھائے تقریر ہی میں موسم بدلتا نظر آئے تو زورِ تقریر کے جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایات دیں گے کہ اپنی دریاں پھینک دو۔ اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بوڑھے اتار دو، اپنے اعلانوں کو گھس گھس کر مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر دو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء کے لئے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو یہ رفتار کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں۔

تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں جیلے کی طرح۔ وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور باد بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہوگی۔ بجلیاں آئیں گی۔ لیکن وہ بھی ان کو اپنے راستے سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رخ دیکھ کر نہیں چلیں گے۔ بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔ لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا ہے۔ جسکو حاصل کرنے کیلئے اگر بڑے سے بڑا طریقہ بھی اُن کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے نہیں چوکتے، لیکن اس کے برعکس انبیاء کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا خواہ ساری زندگی کے وعظ نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی اُن پر ایمان نہ لائے۔ لیکن لوگوں کو ایمان کے راستے پر لانے کے لئے وہ کبھی بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو یا جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کی پرواہ کی ہے۔ کہ دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ اور لوگ اسکو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد و بدل کے مجاز نہیں ہیں جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ رد کر دے۔ بلکہ وہ اس دین کو جو اُن پر اتارا گیا ہوتا ہے بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی رد و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس طرح پہنچاتے ہیں کہ نہ اُس کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا ہونے دیتے ہیں اور نہ اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد اور مصنف۔ اس وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

پھر وہ لیڈروں اور ریفارمرز کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعادی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔ اُن کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شے سے دوسروں کو روکتے ہیں۔ اس سے پوری شدت کے ساتھ خود بھی پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ اسکی پرچائیں بھی اپنے پر نہیں پڑنے دیتے جس چیز کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اس پر خود پوری کوتاہی اور عریضی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ بلکہ جس

شے کی وہ دعوت دیتے ہیں۔ اگر دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔

لیڈر اور ریفاہ صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلا تے ہیں، اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دور بین سے بیس سال کی مسانت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہوں، لیکن حق تعالیٰ کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اور جب گرتے ہیں تو ان کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن انبیاء کاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اول تو وہ اپنی ذہانت و فراست کی دور بین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کئی اعتماد نہیں کرتے بلکہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں، لیکن اگر کبھی اپنی کسی اجتہادی لغزش کے باعث گرتے بھی ہیں۔ تو اپنے رب کے دروازے ہی پر گرتے ہیں۔ اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا رب ان کو اٹھاتا اور سنبھالتا ہے۔

ادپر کی بحث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نبی نہ تو ایک لیڈر ہوتا ہے، اور نہ ہی ریفاہر، وہاں اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ وہ وکیل بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے اختیار کئی رکھتا ہے جو چاہے خود بھی کر سکتا ہے۔ اسی نے جواب دی کہ ابھی اس کو حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں نبی صرف اس امانت کے بے کم و کاست پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مزاج، اس کے مزاج اور اس کی ترتیب و تدبیر میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکے۔ وکیل تو سب کا اللہ رب العزت ہی ہے۔ اب وکیل کا وکیل کون ہو سکتا ہے۔ اور کس انسان میں یہ طاقت و قوت ہے کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے خود ارشاد فرماتے ہیں :

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ - یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی سب کا وکیل ہے۔

— باقی آئندہ —